جناب پروفیسر محمد سلیمان اظہر، ایم۔اے

شیخ الکلؒ کی سیاسی زندگی

مئی ۱۹۷۶ء کے ماہنامہ "المعارف" لاہور میں جناب پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب کا ایک مضمون بعنوان "جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کا فتویٰ جہاد اور اس کے مفتیانِ کرام" شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے اس فتویٰ کے مفتیانِ کرام کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے پہلا طبقہ ان علمائے کرام کا ہے جنہوں نے اس فتویٰ کو درست سمجھتے ہوئے دستخط کئے اور اس کے نتائج بھی بھگتے۔ بقول پروفیسر موصوف:

> "دوسرے گروہ میں وہ حضرات ہیں جن کے دستخط تو فتویٰ پر ہیں مگر قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس تحریک میں دل سے شریک نہ تھے۔ بلکہ اس وقت کے حالات کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اس فتویٰ پر مجبوراً دستخط کئے تھے۔ ان لوگوں کی سرگرمیوں کا دائرہ درس و تدریس تک محدود تھا اور ملکی سیاست سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔
>
> (۱) شیخ الکل شمس العلماء میاں سید محمد نذیر حسین (۲) مولوی حفیظ اللہ خان (۳) شمس العلماء مولوی ضیاء الدین، ان بعض حضرات میں سے ہیں۔

مولوی میاں نذیر حسین بن جواد علی سورج گڑھ (بہار) میں ۱۲۲۰ھ میں پیدا ہوئے علمائے دہلی سے تحصیلِ علم کیا۔ اہلِ حدیث کے مقتدا ٹھہرے۔ افتخار عالم مارہروی لکھتے ہیں:

"آفت یہ ٹوٹ پڑی کہ دورانِ بغاوت جنرل بخت خاں نے ان مولویوں سے زبردستی جہاد کے فتوے پر مہریں کرالیں۔"

شمس العلماء ذکاء اللہ لکھتے ہیں:

"جن مولویوں نے فتوے پر مہریں کی تھیں، وہ کبھی پہاڑ پر انگریزوں سے لڑنے نہیں گئے۔ مولانا نذیر حسین جو وہابیوں کے مقتدا اور پیشوا تھے، ان کے گھر میں تو ایک میم چھپی بیٹھی تھی۔"

مولوی نذیر حسین کے اس طرزِ عمل کی جہادیوں کو بھی خبر لگ گئی تھی۔ اور وہ ان کے درپے ہوئے۔ مگر بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی فہمائش سے یہ بلا ٹل گئی۔ ہم عصر وقائع نگار عبداللطیف لکھتے ہیں:

"خبر دیگر آرائی ایشاں (جہادیاں) برآشفت و بہ شاہزادگان فرمود کہ مولوی سید محمد نذیر حسین را کہ از شدت ناکساں پراشتبیدہ حال بودہ است وارہانند و غلبہ بے جا از آں جا بر دارند"

مولوی نذیر حسین کو اس صلے میں ایک ہزار تین سو روپے انعام ملا۔ اس سلسلہ میں ایک سرٹیفکیٹ میاں نذیر حسین کی سوانح عمری سے نقل کیا جاتا ہے:

"دہلی مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۸۵۷ء

ڈبلیو۔ جی۔ واٹر فیلڈ قائم مقام کمشنر دہلی

مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے مولوی شریف حسین اور ان کے دوسرے گھر والے غدر کے زمانے میں مسز لیسنس کی جان بچانے کا ذریعہ ہوئے۔ حالتِ مجروحی میں انہوں نے ان کا علاج کیا۔ ساڑھے تین مہینے اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں ان کو پہنچا دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کے انگریزی سرٹیفکیٹ ایک آتش زدگی میں جو ان کے مکان واقع دہلی میں ہوئی تھی، جل گئے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ان کا کہنا بہت ہی قرینِ امکان ہے۔ غالباً ان کو جنرل چیمبرلین، جنرل برن اور کرنل سانڈرز وغیرہم سے سرٹیفکیٹ ملے تھے۔ مجھ کو وہ واقعات اور مسز لیسنس کا کیمپ میں آنا اچھی طرح یاد ہے

ان لوگوں کو اس خدمت کے صلے میں مبلغ دو سو اور چار سو روپے ملے تھے مبلغ سات سو روپے بابت تاوان منہدم کیے جانے مکانات کے ان لوگوں کو عطا کیے گئے تھے۔ یہ لوگ ہماری قوم سے حسنِ سلوک اور الطاف کے مستحق ہیں"

مسز سیلنس کی جان بچانے میں بقول افتخار عالم مارہروی شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی بھی شامل تھے اور اس انگریز خاتون کو وہی اٹھا کر لائے تھے۔ اور جنگِ آزادی کے بعد جب ڈپٹی نذیر احمد، ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہوئے، تو میاں نذیر حسین کے صاحبزادے مولوی شریف حسین (ف ۱۳۰۴ھ) نے اس کو اپنے باپ کا حق سمجھا۔ مولوی افتخار عالم مارہروی لکھتے ہیں:

"مولوی شریف حسین نے دعویٰ کیا کہ مولوی نذیر احمد صاحب کو جو نوکری مل گئی ہے وہ میرے باپ مولوی نذیر حسین صاحب کا حق ہے ۔ ۔ ۔ ان لغو باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں خاندانوں میں تا ایں دم صفائی نہیں ہوئی۔"

پروفیسر ایوب قادری صاحب کے مضمون سے آپ نے یہ طویل اقتباس ملاحظہ کیا جو مختلف کتب کے حوالہ سے مزین ہے۔ پروفیسر صاحب ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ:

(۱) سید نذیر حسین کی سرگرمیوں کا دائرہ درس و تدریس تک محدود رہتا اور عملی سیاست سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔

(۲) فتویٰ جہاد کو درست نہ سمجھتے تھے اور اس پر دستخط انہوں نے جبر اور خوف کے باعث کیے ہیں۔

(۳) دورانِ جنگ انگریز سے لڑنے کیلئے کبھی میدان میں نہیں نکلے۔

(۴) انگریز سے لڑنے کی بجائے وہ ان کے بہی خواہ تھے۔ جیسا کہ انہوں نے انگریز عورت کو اپنے گھر میں پناہ دی۔

۵۔ انگریزوں نے ان کی وفاداری کی قدر کرتے ہوئے مبلغ بارہ سو روپے کے انعامات سے نوازا۔

۶۔ وہ انگریز کی ملازمت کرنا چاہتے تھے جس کا اظہار ڈپٹی نذیر احمد کی تقرری پر مولوی شریف حسین کے ریمارکس سے ہوتا ہے۔

یہ فردِ جرم ہے جو مئی ۱۹۷۶ء کے "المعارف" میں جناب قادری صاحب نے شیخ الکل،

سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی پر عائد کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان الزامات کے متعلق صحیح صورتِ حال قارئین کرام کے سامنے رکھیں۔

سید صاحب کے سیاسی یا غیر سیاسی ہونے کا فیصلہ کرنے کیلئے ان کی تعلیم و تربیت کا احوال معلوم کرنا ضروری ہوگا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہمیں معلوم ہو، ان کی تربیت کن ہاتھوں میں ہوئی۔ ان کے اساتذہ کیسے تھے، وہ خود کس ماحول میں پروان چڑھے۔ کیونکہ گردوپیش کا اثر یقیناً انسان پر پڑتا ہے۔

سید محمد نذیر حسین کے سب سے پہلے استاد پٹنہ کی مسجد نمو ہیہ کے امام و خطیب شاہ محمد حسین مرحوم تھے۔ یہ بزرگ مولانا ولایت علی صادق پوری کے ماموں اور حضرت سید احمد بریلوی کے خلیفہ تھے۔ سید صاحب نے انہیں مرکز پٹنہ کے امور سونپ رکھے تھے۔ اور تحریک مجاہدین میں پٹنہ کی اہمیت سے سارا زمانہ واقف ہے۔ وہابیوں کے مرکز میں اس قدر اہم شخصیت کے سامنے بیٹھ کر ۱۷ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز کرنے والا شخص اپنی آمدہ زندگی میں ایک خاموش مدرس بنا جسے سیاست سے کوئی سروکار نہ تھا، ایک ایسی بات ہے جسے تسلیم کرنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ پٹنہ میں حصولِ تعلیم کے دوران حضرت سید احمد بریلوی اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید پٹنہ تشریف لائے۔ آپ نے ان کی اقتدا میں نمازیں ادا کیں، ان کی تقاریر سنیں اور ان سے فیض یاب ہوئے اور پھر جانب دہلی روانہ ہوگئے۔ جہاں آپ نے تیرہ سال تک حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی سے کسبِ فیض کیا۔ شاہ صاحب آپ کیلئے اس قدر شفیق و مہربان تھے کہ غریب الوطنی میں آپ کی شادی کے امور انہوں نے ہی سرانجام دیے۔ شاہ اسحاق کے متعلق دنیا جانتی ہے کہ وہ تحریکِ مجاہدین کے ایک اہم ستون تھے۔ اور انہیں اس تحریک سے اس قدر لگاؤ تھا کہ جب سانحہ بالاکوٹ کے بعد تحریک ذرا مدھم پڑ گئی تو اسے از سرِ نو فعال بنانے کے لئے اپنے داماد کو سرحد روانہ کر دیا تھا۔ جو وہیں شہید ہوگئے۔ اپنے داماد کی جان کا نذرانہ دینے والی یہ شخصیت پندرہ سالہ مساعی جہاد کی مسلسل ناکامی دیکھنے کے بعد حالات سے دل برداشتہ ہوگئے ہند ہی چھوڑ گئے اور حجاز کو اپنا مسکن بنایا۔ تحریکِ جہاد سے اس قدر جذباتی اور عملی وابستگی رکھنے والی شخصیت کے شاگرد رشید کے متعلق یہ کہنا کہ اسے سیاست سے کوئی سروکار نہ تھا، ایک ایسی بات ہے جسے تسلیم کرنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔

اس استاد کی صحبت کا فیض تھا کہ مولوی نصیر الدین امیر المجاہدین نے سرحد سے پورے برصغیر کے اکابر کے نام ایک اعلام نامہ بھیجا۔ جس کا ذکر مولانا غلام رسول مہر نے سرگزشت مجاہدین میں کیا ہے۔ اس اعلام نامہ کے مخاطبین ۱۳۱ افراد تھے۔ جن میں سید محمد نذیر حسین کا اسم گرامی بھی موجود ہے۔ یہ ۱۸۳۵ء کے لگ بھگ کی بات ہے جبکہ آپ ابھی ایک طالب علم تھے۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ اس فہرست میں بہت سے خود ساختہ مجاہدین کا نام آپ کو ڈھونڈے سے بھی نہیں ملیگا۔ لیکن سید نذیر حسین جو ابھی ایک طالب علم تھے، اپنے استاد کی صحبت کے باعث تحریک کے امور میں اس قدر اہم حیثیت اختیار کر چکے تھے کہ برصغیر کی سطح کے ۱۳۱ افراد میں ان کا شمار ہونے لگا تھا۔ جب بحیثیت طالب علم ان کا کردار یہ ہو تو بحیثیت استاد یہ کہنا کہ وہ سیاست سے دامن کشاں تھے، نہایت ہی مضحکہ خیز ہے۔

۱۸۴۳ء میں شاہ اسحاق مع دیگر خاندان ہند سے ہجرت کر کے حجاز چلے گئے تو انکی مسند پر ان کے نامور تلمیذ سید محمد نذیر حسین کو بیٹھنے کا لازوال شرف حاصل ہوا۔ اور اس عمدگی سے اس مسند کا حق ادا کیا کہ صرف ۷ سال بعد افغانستان کا سب سے بڑا عالم حضرت الامام سید عبداللہ غزنوی جس کے مقابلہ سے تمام علمائے افغانستان عاجز آچکے ہیں، آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتا ہوا نظر آتا ہے اور اس عزت و شرف پہ ناعمر نازاں دکھائی دیتا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ کا آغاز ہوا جو ایک غیر منظم جنگ تھی۔ دہلی پر مجاہدین نے قبضہ کر لیا جو ۱۰ رمئی ۱۸۵۷ء کی بات ہے اور بہادر شاہ ظفر کی بادشاہی کا اعلان کر دیا گیا۔ فتویٰ جہاد مرتب ہوا، جس پہ دوسرے علماء کی طرح سید نذیر حسین مرحوم نے بھی دستخط ثبت فرمائے۔ لیکن ان کا معاملہ نادان دوستوں کے ہاتھ آگیا۔ بعض لوگوں نے تو اس بات سے انکار ہی کر دیا کہ انہوں نے فتوائے جہاد پر دستخط بھی فرمائے ہیں۔ ان لوگوں نے خود آپ کے ایک شاگرد اور آپ کے سوانح نگار جناب فضل حسین صاحب بہاری مصنف "الحیاۃ بعد المماۃ" شامل ہیں۔ دوسرے لوگوں نے یہ کہا کہ آپ نے دستخط تو کئے ہیں لیکن ان سے جبر آکروائے گئے ہیں ورنہ وہ دل سے ایسا نہ چاہتے تھے۔ ان لوگوں میں سر سید احمد خان اور مولوی ذکاء اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ شاید ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ انگریز کا جذبۂ انتقام ٹھنڈا کرنے کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے تاکہ وہ لوگ جو ہنگامہ میں بچ گئے ہیں، اب جذبۂ انتقام کی

بھینٹ نہ چڑھ جائیں، اس لئے جو کچھ ان سے سرزد ہوا ہے، وہ ان کے اضطراری حالت کے اعمال ثابت کر دیئے گئے۔ ان لوگوں کی نیت بری نہ تھی اور یہ بڑی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن تقسیم ہند کے بعد کے مؤرخین نے ان مصنوعی حالات کو ملحوظ رکھے بغیر اور سرسید وغیرہ کے مصالح پر غور کئے بغیر، ان اکابر کے متعلق وہی کچھ کہنا شروع کر دیا جو سرسید وغیرہ آج کے زمانے میں خود بھی لکھنے کو تیار نہ ہوتے۔

حقیقت یہ ہے کہ سید نذیر حسین مرحوم نے فتویٰ جہاد پر دستخط ثبت فرمائے ہیں جیسا کہ فتویٰ کی ان نقول سے ظاہر ہے جو صادق الاخبار وغیرہ میں طبع ہوئی تھیں اور دستخط انہوں نے جبراً نہیں بلکہ یہ سمجھ کر کئے تھے کہ انگریز کافر ہیں اور مسلمانوں کے ملک پر قابض ہو چکے ہیں۔ اب یہ ملک دارالاسلام کے بجائے دارالحرب بن چکا ہے، اس لئے انگریز کو یہاں سے نکال باہر کرنا چاہیئے۔

ہمارا یہ دعویٰ ان کی اس طویل سیاسی زندگی سے ثابت ہوتا ہے جو اس جنگ کے بعد بھی انہوں نے جاری رکھی کہ ہر ممکن طریق سے آزادی کے لئے جد و جہد کی۔ لیکن . . دورِ حاضر کے مؤرخین اس پر ایک نظر ڈالنا پسند نہیں کرتے۔ آیئے ہم آپ کو انگریزوں کے خلاف سید صاحب کی سرگرمیوں کی ایک جھلک دکھائیں۔

ڈاکٹر قیام الدین نے "ہندوستان کی وہابی تحریک" میں وہابی مقدمات کے ایک گواہ امید علی کا بیان سرکاری رپورٹوں سے یوں نقل کیا ہے:

"امید علی نے ایک اور سنسنی خیز اطلاع دی، اس نے کہا کہ ایک روز جب میں اپنے رفیقِ کار محمد امین کی دوکان پر بیٹھا تھا۔ میں نے کئی آدمیوں کو دیکھا جو محمد امین سے ملنے آئے تھے۔ ان کے بارے میں دریافت کرنے پر اس نے مجھے بتایا کہ وہ شاہزادہ فیروز شاہ کے پاس سے آئے ہیں جو سرحد پر رہتے ہیں۔ وہ فیروز شاہ کی طرف سے دکن کے بعض راجاؤں کے نام خطوط لائے ہیں۔ شاہزادے نے ان کو مدد کے ان وعدوں کی یاد دہانی کی ہے جو انہوں نے غدر ۵۷ء میں ان سے کئے تھے اور ان سے درخواست کی ہے کہ دریائے آکس پر ان سے آملیں . . . یہ خط فیروز شاہ کے بھائی شہزادہ ایزاد بخش کو پہنچانے تھے جو اپنی ماں کے ساتھ دہلی کے ایک جھونپڑے میں رہتا تھا اور ایک

کپڑے کی دوکان رکھتا تھا۔ سوال کرنے پر ایزاد بخش نے کہا کہ میں بھائی کے قاصدوں کے ہاتھ سے خط لینا نہیں چاہتا۔ آخر نذیر حسین کے ہاں جاتے ہوئے جو دہلی میں پھاٹک حبش خاں کے قریب رہتے تھے، راستے میں ان سے ملنے پر رضامند ہو گیا"۔ ۔ ۔ امید علی کے بیان نے نذیر حسین کو یہ کہہ کر صاف صاف ملوث کر لیا کہ فیروز شاہ کے قاصد آئے تو وہ بھی موجود تھے۔ نذیر حسین کے گھر کی تلاش سے بہت سے مشتبہ قسم کے خطوط نکلے۔ ان میں سے بعض معروف وہابیوں جیسے جعفر تھانیسری اور مبارک علی عظیم آبادی کے خطوط بھی نذیر حسین کے نام تھے۔ ایک خط نذیر حسین کا لکھا ہوا سرحد کے وہابی سردار عبداللہ صادقپوری کے نام بھی تھا۔ ریلی نے ضابطہ ۳ کے تحت ان کی گرفتاری کی سفارش کی لیکن وہ ایک مشہور و معروف عالم تھے اور ان کے خلاف کسی اطمینان بخش شہادت کے بغیر حکومت اس انتہائی اقدام سے متامل تھی حکومت نے اس معاملے کی رپورٹ حکومت پنجاب کو بھیج دی اور درخواست کی کہ جو اقدام مناسب سمجھے کرے۔ حکومت پنجاب نے ان کو احتیاطی طور پر چھ ماہ جیل میں قید رکھنے کا حکم نافذ کیا۔ مگر اس کے بعد فوراً ہی ان کو رہا کر دیا۔ دسمبر ۱۸۶۵ء میں عبداللہ نے راولپنڈی میں جو بیان دیا تھا، اس کے مطابق نذیر حسین دہلی میں وہابی کارکنوں کے صدر تھے۔ راج محل کے ایک اور گواہ نے بھی شہادت دی کہ نذیر حسین نے اس کو سرحد پر جانے پر آمادہ کیا تھا۔ ریلی نے سفارش کی کہ نذیر حسین کے معاملے کی دوبارہ جانچ کی جائے اور گواہوں سے ان کا مقابلہ کرایا جائے۔ کاغذات حکومت پنجاب کو پھر بھیجے گئے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ مگر بعد کی تحقیقات میں وہ نمایاں طور پر نظر آتے ہیں"۔ (ہندوستان میں وہابی تحریک" ص ۳۱۴ - ۳۱۵)

کارروائی نہ کیے جانے کی وجہ لیفٹننٹ گورنر بنگال نے مختلف مقامات ۔ ۔ ۔ میں ان تمام تفتیشوں پر حکومت ہند کو رپورٹ دیتے ہوئے ایک چٹھی میں یوں ظاہر کی کہ:

"وہابی تحریک نہایت پیچیدہ شاخ درشاخ ہے۔ اس کے کارپرداز سہارنپور جہلم، رڑکی، داناپور اور متفرق جگہوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔"

لیفٹننٹ گورنر کو شبہ تھا، آیا ان مشتبہ لوگوں کے خلاف مقدمہ کی کارروائی فوجداری عدالتوں میں کامیابی سے چل سکے گی، اس کی رائے تھی کہ تعزیرات ہند میں بصورت موجودہ کوئی ایسی دفعہ نہیں جس کی رو سے اس قسم کے افعال کا، جو وہابیوں سے سرزد ہوئے، مقابلہ اور توڑ کیا جا سکے۔ ہنٹر حکام کی درگت کی ان لفظوں میں تشریح کرتا ہے:

"فساد اتنا وسیع و ہمہ گیر ہے کہ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کارروائی کہاں سے شروع کی جائے۔ ہر ضلعی مرکز ہزاروں خاندانوں میں بے چینی پھیلا دیتا ہے ملزم کے خلاف ممکن الحصول گواہ اس کے وہ نئے عقیدت مند ہیں جو اپنے مالک کے ساتھ دغا کرنے پر مرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔" (وہابی تحریک ص ۳۱۶، ۳۱۷)

مزید برآں:

"بہار میں پرنس آف ویلز کی آمد کے وقت حکومت کو وہابیوں سے کچھ گڑبڑ پھیلانے کا اندیشہ ہوا۔ ان کے موجودہ تنظیمی مرکزوں اور کارروائیوں کی تحقیقات کی گئی۔ الیشری پرشاد نے دسمبر ۱۸۷۵ء میں ذیل کی خفیہ رپورٹ تیار کی۔ اس نے ظاہر کیا "اس ملک میں وہابیوں کی کارروائیوں کے تین مرکز ہیں جو پٹنہ، بھوپال اور دنگوں میں واقع ہیں۔ ان میں پہلا مرکز مقامی وہابیوں کی گرفتاریوں اور قید و بند سے بہت کمزور ہو گیا ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنی جد و جہد وسیع تر خطوں میں پھیلا دی ہے۔۔۔ پٹنہ کے مرکز سے بہت ملتا جلتا سورج گڑھ کا مرکز ہے جو نذیر حسین کی جائے پیدائش ہے۔ یہ اب بھی ہندوستان میں وہابیوں کا ایک ممتاز قائد سمجھا جاتا ہے اور مدار المہام کہلاتا ہے۔" (وہابی تحریک ص ۳۲۲)

مزید برآں:

"کلکتہ پولیس کی رپورٹوں سے ۱۸۸۱-۱۸۸۰ء میں ابراہیم (آروی) کی جد و جہد

کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۸۰ء میں ڈھاکہ کے ایک شخص بدیع الزمان نے ممتاز وہابیوں کا ایک جلسہ کرنے کی کوشش کی تھی جس میں نذیر حسین دہلوی بھی شامل کئے گئے تھے۔ چونکہ وہ پولیس کے زیرِ نگرانی تھے۔ نذیر حسین نے دہلی میں جلسہ کرنے سے اختلاف کیا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے کوئی دور دراز کا اندرونی قصبہ منتخب کرنے کی رائے دی۔ ابراہیم نے مشورہ دیا کہ یہ جلسہ مظفر پور کے قریب ایک گاؤں تاجپور میں منعقد کیا جائے۔ جلسے میں کوئی تیس ہزار مولوی جمع ہوئے۔ جلسے کا اصل مقصد یہ تھا کہ بغاوت پھیلانے کے لئے کوئی حکمتِ عملی تیار کی جائے" (وہابی تحریک ص ۲۳۴)

اس کے بعد کی ایک پولیس رپورٹ میں کمشنر پٹنہ کو اطلاع دی گئی کہ ممتاز وہابیوں کا ایک اور جلسہ سراج گنج میں منعقد ہوا۔ جہاں نذیر حسین بھی اپنی بھانجی کی شادی میں شرکت کے بہانے سے گئے ہوئے تھے۔ اس تقریب نے وہابیوں کے اجتماع کیلئے ایک آسان حیلہ مہیا کر دیا۔ سرِبرآوردہ حاضرین میں نذیر حسین، محمد حسین لاہوری (بٹالوی) اور ابراہیم آروی تھے اور مقصد یہ تھا کہ ان کا تعاون حاصل کیا جائے اور . . اس ملک کے دار الحرب ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ اس پر یہ وہابی ریاست کا ہندوستان سے رابطہ اور اعانت قبضتاً گز در پڑ گئی ہے، ہندوستان سے مزید رضاکاروں اور امداد کی ترسیل کی کوشش کرنا چاہیئے۔" (وہابی تحریک ص ۲۳۵)

یہ اس شخص کی زندگی کی ہلکی سی جھلک ہے جسے پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب نے بڑی معصومیت سے ایک خاموش مدرس اور سیاست سے لاتعلق انسان قرار دے دیا ہے۔ جو شخص اسی اسی سال کی عمر میں ہزاروں میل کا فاصلہ مسدود ذرائع مواصلات کے ذریعے طے کر کے پورے ملک میں اس کے دار الحرب ہونے کا پروپیگنڈہ کرتا پھر رہا ہو، جسے ہر آن یہ فکر ہو کہ سرحد کے مجاہدین کی اعانت کا سلسلہ، اندرون ہند سے گز در پڑ گیا ہے، اسے تیز تر ہونا چاہیئے ——— جو

لوگوں کو جہاد پر ابھار ابھار کر سرحد روانہ کرتا ہو، جو چندے فراہم کرکے بھیجتا ہو، کہ اس سے انگریزوں کا ستیاناس ہو، جو تحقیقات و تفتیش کے مراحل سے گزرتا رہتا ہو، جو راولپنڈی اور پشاور میں نظربندی کی مدتیں گزار چکا ہو، جو ہر آن پولیس کی نگرانی میں ہو ——— اور جسے انگریز وہابی مجاہدین کے مدار المہام کے لقب سے ملقب کرتے ہوں، اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ سیاست سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے اور فتوئ جہاد پر انہوں نے اپنے نظریات کے علی الرغم ؟ ہمرا دستخط کئے ہیں، قطعاً قرین قیاس نہیں ہے ——— رہا انگریز عورت کو پناہ دینے اور اس کے صلے میں انعامات کا معاملہ، تو اس پر ہم آئندہ گفتگو کریں گے - ان شاء اللہ!

آپ کے نام آنے والے لفافہ پر "آپ کا چندہ ختم ہے" کی مہر لگی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ:

- پندرہ یوم کے اندر اندر سالانہ زرِتعاون مبلغ ۹ روپے بذریعہ منی آرڈر منیجر ترجمان الحدیث کے نام ارسال فرمادیں یا
- خدانخواستہ آئندہ خریداری کا ارادہ نہ رکھنے کی صورت میں دفتر ہٰذا کو پندرہ یوم کے اندر اندر مطلع فرمادیں - والسلام
- رقم ارسال نہ کرنے یا مکمل خاموشی کی صورت میں آپ کے نام آئندہ شمارہ بذریعہ وی-پی-پی قیمتی مبلغ ۹/۹۰ روپے، ارسال کردیا جائیگا جس کو وصول کرنا آپ کا دینی اور اخلاقی فریضہ ہوگا!

منیجر